مسلمان اور برعظیم کی تقسیم☆

فرانسس رابنسن

۱۹۴۷ء میں تقسیم کے نتیجے میں بھارت اور پاکستان کی خود مختار ریاستوں کا قیام اہم واقعہ ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ برطانیہ کی "تقسیم کرو اور حکومت کرو" پالیسی کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کے لیے یہ ان کی جدوجہد کا ثمر تھا۔ انگریز اور ہندو دونوں نے ان کی شناخت کو تسلیم کر لیا تھا۔ بنگلہ دیشیوں کے لیے ۱۹۷۱ء میں ان کی آزادی کا ابتدائی قدم تھا۔ برطانیہ کے لیے یہ قابل افسوس لیکن ناگزیر تھا۔

تقسیم کے حوالے سے دو مسائل قابل غور ہیں: ۱- کیوں بہت سے مسلمان کانگریس میں شامل ہونے سے محترز رہے۔ ۲- اس وجہ سے ملک کی تقسیم کیوں ضروری ہو گئی۔

مسلمان آبادی کا ایک چوتھائی تھے لیکن کسی بھی طرح ایک متحدہ گروہ نہ تھے۔ کچھ ان عربوں، ایرانیوں، ترکوں اور افغانیوں کی نسل سے تھے جو یہاں ملک فتح کرنے، تجارت کرنے یا قسمت آزمانے آئے تھے۔ اصل اکثریت ان ہندوستانیوں کی تھی جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ شمال مشرق اور مغرب میں وہ آبادی میں اکثریت میں تھے لیکن وسطی اور جنوبی ہند میں وہ ۵ فیصد سے زائد نہ تھے۔ لیکن یوپی (اتر پردیش) میں ۱۴ فی صد تھے جن میں سے نصف باہر سے آنے والوں کی نسل میں سے تھے۔ دہلی، آگرہ، الہ آباد، لکھنو مسلمانوں کے اقتدار کے مراکز تھے۔ یہاں کے لوگوں نے مسلمانوں کو قومی دھارے سے الگ رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مسلمانوں میں علیحدگی کے رجحانات میں اس بات کا بھی دخل ہے کہ انہیں اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ وہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے بہترین امت کے طور پر پیدا کیے گئے ہیں۔ جب وہ سیاست میں آتے ہیں، تو خود کو مذہب کی بنیاد پر منظم کرتے ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل سے یہاں کے مسلمان، دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی طرح اصلاح اور احیاء کی تحریکوں کی گرفت میں آگئے تھے۔ ان کا واسطہ مغرب کی

☆Francis Robinson, "The Muslims and Partition," *History Today*, 47:9, Sep.97, PP.40-46
(تلخیص: پروفیسر مسلم سجاد)

طاقت اور علم سے پڑا۔ تہذیبی اور علمی کشمکش رہی۔ دیوبندی، بریلوی، احمدی، جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت جیسی تحریکیں شروع ہوئیں۔ ان کی عالمی حیثیت ہے لیکن ہندوستان میں ان کی وجہ سے مسلمانوں کے طرز زندگی اور ان کے اردگرد بسنے والے ہندوؤں میں امتیاز زیادہ واضح ہوگیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے اندر اپنی شناخت کا احساس قوی تر ہوگیا۔

اس عمل کا ایک اہم حصہ سر سید احمد خان کا اسلامی علوم اور مغربی سائنس، اور صاحب حیثیت مسلمانوں اور برطانویوں کے درمیان پل بنانے کا کام تھا جس کا اظہار ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ میں اینگلو اورینٹل کالج کے قیام سے ہوا۔ اس کالج کے طلبہ اور حامیوں نے مسلم علیحدگی پسندی کے رجحان کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مغرب کا چیلنج اسلام ہی کے لیے نہیں، ہندومت کے لیے بھی تھا۔ ہندوؤں میں بھی اپنی شناخت کا احساس ابھرا۔ انہوں نے انگریزوں کی تحسین کی جنھوں نے ان کو مسلمانوں کے استبداد سے نجات دلائی۔ ہندو مسلم کشمکش میں اضافہ ہوتا گیا، خصوصاً اس لیے کہ ہندو گائے ذبح کرنے پر پابندی کا اور فارسی کے بجائے دیوناگری رسم الخط کا مطالبہ کرتے تھے۔ اگر قومی تحریک نے مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کی طرف قدم بڑھایا، تو ہندو احیاء کے عناصر نے اسے روک دیا۔

انگریزوں نے شروع ہی سے ہندوستان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مجموعہ سمجھا۔ انہوں نے تاریخ کو ہندو، مسلم اور برطانوی عہد میں تقسیم کیا۔ جب ۱۸۷۱ء میں مردم شماری کی تو انہیں مذہب کے عنوانات کے تحت شمار کیا۔ ہندوستانی معاشرے کو مذہبی حوالے سے سمجھنے کی یہ روش حکمرانوں کی عیسائیت سے وابستگی اور عیسائی مشنریوں کی موجودگی کی وجہ سے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بالآخر ہندوستان تقسیم ہوگیا۔ انگریزوں کی پالیسی، تقسیم کرنے کی شعوری کوشش کے بجائے حالات کے رد عمل کا تسلسل سمجھنا چاہیے۔

انگریز مسلمانوں کو اپنے اقتدار کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔ مسلمان یہاں کے حکمران رہے تھے اور نئے حکمرانوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت اس کا اظہار تھی۔ ۱۸۷۰ء میں انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ برطانوی راج کے تحفظ کا تقاضا ہے کہ بااثر مسلمانوں کو ساتھ لیا جائے۔ اس وقت سر سید اپنے ہم مذہبوں کو مغربی علوم اور اقتدار سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے۔ ان کی سرکاری حوصلہ افزائی کی گئی، علی گڑھ کالج کے لیے زمین سستے دام دی گئی اور وائسرائے نے ذاتی عطیہ بھی دیا۔ ایجوکیشنل کانفرنس جیسی تمام سرگرمیاں سرکاری رضامندی سے ہوتی تھیں۔

۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام اس کالج اور کانفرنس کی بنیاد پر عمل میں آیا۔ لیگ کا پہلا مطالبہ جداگانہ انتخابات اور یوپی جیسے صوبوں میں اضافی نمائندگی کا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں اس کو تسلیم کرنے سے ہندوستان کے انتخابی نظام میں مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کی بنیاد پڑ گئی۔

اسلامی اقدار کے احیاء، ہندوستان کا برطانوی تصور اور برطانیہ کے طریقہ حکومت جیسے عناصر نے تقسیم کا راستہ ہموار کیا۔ مختلف اوقات میں مسلمانوں کے مختلف گروپوں نے اس موقف کی حمایت کو مفید سمجھا۔ آغاز میں زمین دار اور سرکاری ملازمین، (زیادہ تر یوپی کے)، پہلی جنگ عظیم کے موقع پر وکلا اور اخبارات کے مدیران۔ ۲۰ کے عشرے کے اوائل میں تحریک کمزور پڑی لیکن اواخر میں پھر لوگوں کا اس طرف رجوع ہوا۔ بہت سے لوگوں نے اس لیے دلچسپی چھوڑ دی کہ انہیں اس کے مستقبل میں پنجاب کا غلبہ نظر آیا۔

دسمبر ۱۹۳۰ء میں اقبال نے شمال مغرب میں ایک ریاست کا تصور پیش کیا جسے چودھری رحمت علی نے بعد میں پاکستان کا نام دیا۔ کوئی بھی عملی سیاست دان اس وقت یہ نہ سمجھتا تھا کہ یہ منصوبہ عمل میں بھی آسکتا ہے۔ ۱۹۳۰ء اور ۳۵ کے درمیان، لیگ کے رہنما محمد علی جناح کی رہائش برطانیہ میں تھی جہاں انہوں نے لیبر یا کنزرویٹو پارٹی کا ٹکٹ لینے کی ناکام کوشش کی۔ جناح کی واپسی کے بعد بھی حالات بہتر نہ ہوئے۔ ۱۹۳۷ کے انتخابات میں مسلمانوں کی صرف ۲۲ فی صد نشستوں پر لیگ کو کامیابی ہوئی۔ لیکن ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کو اہم حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ اس نے ۹۰ فیصد نشستیں حاصل کیں۔ یہ فرق ہی تقسیم کی اصل بنیاد بنا۔ ایک وجہ دوسری جنگ عظیم تھی۔ برطانیہ مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نصف فوج مسلمان تھی اور قومی تحریک، جنگ کی مخالف تھی۔ وائسرائے نے جناح کو جواب قائداعظم ہو چکے تھے، ملاقات کی دعوت دی۔ ۷ ماہ بعد ہی ۲۴ مارچ کو جناح نے اپنے ایجنڈے کا اعلان کر دیا جس کی بنیاد دو قومی نظریہ تھا۔ ۱۹۴۳ء میں جب جاپانی کلکتہ پر بمباری کر رہے تھے، کرپس نے پاکستان کی پیش کش کر دی۔

کانگریس کی غلطیوں کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے۔ ۱۹۳۷ء میں فتح کے بعد ان کا رویہ فاتحانہ تھا۔ یوپی میں مسلم لیگ کی شمولیت کی اس نے بہت زیادہ قیمت مانگی۔ بندے ماترم نے مسلمانوں کے جذبات کو بہت اذیت دی۔ مسلمانوں کو اپنی تہذیب خطرے میں محسوس ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں کانگریس حکومتوں نے استعفیٰ دے کر اقتدار کا وزن اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ ۶۰ ہزار کارکن جنگ کے اختتام تک کے لیے جیل بھیج دیے گئے۔

مسلم اقلیت کے صوبوں نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ انہیں اندازہ تھا کہ پنجاب اور بنگال

میں حمایت حاصل کیے بغیر مسلم لیگ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ علما اور طلبہ نے ان صوبوں کے دورے کیے۔ اس پر مستزاد، جناح کی غیر معمولی قائدانہ صلاحیت تھی۔ ان سب نے ۱۹۴۶ء میں لیگ کے حق میں رائے عامہ ہموار کر دی۔

قرارداد پاکستان میں ریاست یا ریاستوں کا ابہام بھی تھا۔ اور یہ بھی کہ یہ ریاستیں بھارت سے علیحدہ ہوں گی یا اس کے وفاق کا حصہ ہوں گی۔ جناح نے اس ابہام کو برقرار رکھا۔ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن کے منصوبے میں، آزادی کے وقت تین سطح کی حکومتیں تجویز کی گئی تھیں۔ ۶ جون کو جناح نے یہ منصوبہ قبول کر لیا، ۲۲ جون کو کانگریس نے بھی قبول کیا لیکن عبوری حکومت کو مسترد کر دیا۔

اب تقسیم ناگزیر تھی۔ برطانیہ ہندوستان سے جلد از جلد رخصت ہونا چاہتا تھا۔ فروری ۴۷ء میں ماؤنٹ بیٹن کو اس لیے بھیجا گیا کہ سیاست دانوں کی رضامندی حاصل کرے۔ ماؤنٹ بیٹن نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم بھی ضروری سمجھی اور اس طرح دو قومی نظریہ خود لیگ کے خلاف استعمال ہوا۔ جناح نے کٹا پھٹا پاکستان ناگواری کے ساتھ قبول کیا۔

کہا جاتا ہے کہ کانگریس مادر وطن کی تقسیم کے خلاف تھی۔ لیکن دراصل اس میں اس کا ہاتھ بھی تھا۔ ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ پٹیل تقسیم کے حق میں تھا، نہرو کو بھی قائل کر لیا گیا تھا اور گاندھی نے بھی مان لیا تھا۔ محسوس ہوتا ہے کہ ۳۰ء کے عشرے کے آخر تک مسلمانوں نے اپنا مسئلہ ہندوستان کے فریم ورک میں حل کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کے بعد علیحدہ وطن پاکستان کے لیے کام کیا۔ لیکن عائشہ جلال کے مطابق ۱۹۴۰ء کے بعد مقصد میں کوئی تبدیلی نہ آئی بلکہ صرف حکمت عملی تبدیل ہوئی۔ پاکستان کی قرارداد صرف سوداکاری کے لیے تھی اور کیبنٹ مشن کے منصوبے میں جناح کے مقاصد پورے ہو رہے تھے۔ مضبوط مسلم صوبے کمزور مرکز سے زیادہ اندیشے نہ رکھتے تھے۔ لیکن کانگریس نے اسے مسترد کر کے جناح کے سارے منصوبے کو ختم کر دیا۔ بعد میں جناح نے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کی تاکہ شکست کے نتائج کم سے کم ہوں۔

پاکستان اس لیے قائم ہوا کہ کانگریس کے لیڈر یہ چاہتے تھے، اس لیے نہیں کہ جناح چاہتے تھے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کی بنیاد پر ہوا لیکن اس کے نتیجے میں برعظیم کے ایک تہائی مسلمان باقی رہ گئے جنہیں عظیم تر ہندوستان کے تشخص کے اندر ہی اپنی مسلم شناخت کی حفاظت کرنا ہے۔